(19)

گورنمنٹ برطانیہ اگر دعا کی طرف توجہ کرے تو موجودہ جنگ میں اس کی کامیابی یقینی ہے

(فرمودہ 26 جون 1942ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"ستمبر 1940ء کی بات ہے کہ مَیں چند دنوں کے لئے شملہ گیا تھا اور وہاں چودھری ظفر اللہ خان صاحب کے مکان پر ٹھہرا تھا۔ غالباً 20 ستمبر کے دو چار دن بعد کی کوئی تاریخ تھی کہ مَیں نے رات کو رؤیا میں دیکھا کہ گویا مَیں مصر میں ہوں اور لیبیا کے محاذ پر دشمن کی فوجوں اور انگریزی فوجوں کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔ اس وقت لڑائی کا میدان مجھے اس شکل میں دکھایا گیا کہ گویا انگریزی علاقہ ایک ہال کی طرح ہے۔ اس ہال میں ایک طرف سے سیڑھیاں اترتی ہیں۔ چوڑی چوڑی سیڑھیاں کچھ دور تک سیدھی جا کر پھر ایک طرف کو مڑ جاتی ہیں۔ گویا وہ اس ہال میں آنے کا رستہ ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ انگریزی فوج دشمن کے دباؤ کو برداشت نہ کرتے ہوئے پیچھے ہٹتی ہے۔ وہ بڑی بہادری سے لڑتی ہے مگر دشمن کا زور اتنا زیادہ ہے کہ وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، رائفلیں دونوں فریق کے ہاتھوں میں ہیں اور دونوں ایک دوسرے پر Bayonet Charge کرتی ہیں۔ مَیں نے دیکھا کہ پہلے تو انگریزی فوجیں سیڑھیوں کے دوسرے سرے پر دشمن سے لڑ رہی ہیں مگر آہستہ آہستہ سیڑھیوں پر سے اترنا شروع ہو گئیں۔ دشمن اس کے پیچھے پیچھے بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ سیڑھیاں ختم ہو گئیں اور انگریزی فوجیں ہال میں اُتر آئیں اور دشمن کی فوج بھی ان کے پیچھے اترنا شروع ہو گئی۔ اس نظارہ کو دیکھ کر

مجھے خیال آیا کہ انگریزی فوج کمزور حالت میں ہے اور مَیں اپنے دل میں جوش محسوس کرتا ہوں کہ ان کی مدد کروں اس خیال کے آنے پر مَیں تیزی سے گھر کی طرف آتا ہوں اور گھر پہنچ کر میاں بشیر احمد صاحب کی تلاش کی ہے۔ وہ مجھے ملے ہیں تو مَیں نے ان سے کہا کہ ہم فوج میں تو داخل نہیں ہو سکتے مگر ہمارے پاس رائفلیں اور بندوقیں ہیں۔ وہ لے کر اپنے طور پر دشمن پر حملہ کریں۔ یہ کہہ کر مَیں ان کو ساتھ لے کر گیا ہوں۔ خواب کا نظارہ بھی عجیب ہوتا ہے اس وقت گو لڑائی ہال میں ہو رہی ہے مگر ہال کی دیواریں حائل نہیں ہیں اور مَیں گویا اس کے اندر کا سب کچھ دیکھتا ہوں۔ ہم دور کھڑے ہو گئے ہیں اور خواب میں مَیں سمجھتا ہوں کہ ہم بندوقیں چلا رہے ہیں گو ظاہری بندوق چلانا مجھے یاد نہیں۔ مگر مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم نے فائر کئے ہیں ہمارے فائروں کے بعد انگریزی فوج کا قدم آگے بڑھنا شروع ہوا۔ دشمن بھی سختی سے مقابلہ کرتا ہے اور ایک ایک انچ پر لڑائی ہو رہی ہے مگر مَیں نے دیکھا کہ انگریزی فوج دشمن کو دباتے ہوئے سیڑھیوں تک لے گئی اور اسے ہٹاتے ہوئے دوسرے سرے تک چڑھ گئی گویا اسے اپنے علاقہ سے باہر کر دیا اس وقت آواز آئی کہ ایسا دو تین بار ہو چکا ہے یعنی کبھی تو دشمن انگریزی فوج کو دبا کر لے گیا اور کبھی انگریزی فوج اسے دباتی ہوئی اپنے علاقہ سے باہر لے گئی۔ اور دو تین بار ایسا ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب لیبیا میں انگریزی فوج نے کوئی پیش قدمی نہ کی تھی۔ اٹلی کی فوجیں مصر میں تھوڑا سا آگے بڑھ آئی تھیں اور دونوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ دوسرے دن مَیں نے یہ رؤیا چودھری ظفر اللہ خان صاحب کو سنایا اور کہا کہ مَیں سمجھتا ہوں اس جگہ پر اس قسم کی جنگ ہو گی کہ کبھی تو انگریزی فوج دشمن کو دھکیلتی ہوئی دور تک لے جائے گی اور کبھی دشمن اسے دھکیل کر اس کے ملک میں گھس آئے گا اور یہ جو مَیں نے دیکھا ہے کہ ہم نے فائر کئے ہیں۔ اس کا مطلب مَیں دعا سمجھتا ہوں اور بشیر احمد کا نام بشارت ظاہر کرتا ہے اور اس کی تعبیر مَیں نے یہ کی کہ ہو سکتا ہے ہماری دعاؤں سے اللہ تعالیٰ انگریزی فوجوں کو آخری دفعہ دشمن کو دھکیلنے کی توفیق دے دے کیونکہ گو ضروری نہیں کہ خواب میں جو آخری نظارہ دکھایا جائے فی الواقع بھی وہ آخری نظارہ ہو۔ مگر کثیر الوقوع یہی امر ہے کہ جو آخری نظارہ نظر آئے وہی واقع میں بھی آخری ہوتا ہے۔ بہر حال جتنا واقعہ مَیں نے رؤیا میں دیکھا بتا دیا۔

چودھری صاحب نے اگلے دن اس رؤیا کا ذکر اپنے کئی دوستوں سے اور ہِزْ ایکسیلنسی وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری سرلیتھویٹ سے بھی کیا۔ ان پر اس کا ایسا اثر تھا کہ دوسرے یا تیسرے دن جب وہ چودھری صاحب کے ہاں چائے پر آئے تو انہوں نے خود مجھ سے اس کے متعلق دریافت کیا اور پوچھا کہ آپ نے کیا رؤیا دیکھا ہے اور مَیں نے ان سے مکمل رؤیا بیان کیا۔ اس کے دو ماہ بعد انگریزی فوج دشمن کو دھکیلتی ہوئی کئی سو میل تک لے گئی۔ 1941ء میں دشمن پھر آگے بڑھا اور انگریزی فوج کو دھکیلتا ہوا مصری سرحد پر لے آیا۔ نومبر 1941ء میں پھر انگریزی فوج نے حملہ کیا اور دشمن کی فوجوں کو دھکیلتی ہوئی کئی سو میل تک لے گئی اور اب تازہ خبر یہ ہے کہ دشمن کی فوجیں انگریزی فوجوں کو دھکیل کر مصر کی سرحد پر لے آئی ہیں۔ مَیں نے یہ رؤیا 1940ء کے جلسہ پر بھی بیس پچیس ہزار کے مجمع میں سنایا تھا اور غالباً جلسہ کی روئیداد میں شائع بھی ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب ہے اس کے غیب کے ثبوتوں میں سے یہ ایک عظیم الشان ثبوت ہے اور یہ ایک ایسی لڑائی ہے کہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ پہلے ایک فوج دشمن کو دھکیلتی ہوئی کئی سَو میل تک لے جائے اور پھر وہ اسے دھکیل کر واپس لے آئے اور متواتر دو تین بار ایسا ہوا ہو اور ہر بار فاتح فریق یہ سمجھے کہ اس نے دوسرے کی طاقت کو بالکل تباہ کر دیا ہے۔ مَیں نے ایک انگریز فوجی مبصر کی ایک تحریر پڑھی ہے جو اس نے ایک مضمون کے دوران میں شائع کی ہے۔ اس نے روس کی لڑائی کو غیر معمولی قرار دیا اور لکھا ہے کہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اس طرح کوئی دشمن کسی ملک میں اتنی دور تک گھس آیا ہو اور پھر دوسری فوج اس کے پیچھے ہٹانے میں کامیاب ہو جائے۔ یہ دعویٰ اس کا صحیح ہو یا نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ لیبیا کی لڑائی کی کوئی مثال یقیناً تاریخ میں نہیں ملتی کہ ایک فریق دوسرے فریق کو کئی سَو میل تک دھکیلتا ہوا لے جائے۔ پھر دوسرا فریق اسے دھکیل کر باہر نکال دے۔ پھر پہلا فریق اسے دوبارہ دھکیل کر باہر نکال دے۔ پھر دوسرا فریق اسے دھکیل کر سینکڑوں میل تک لے جائے مگر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رؤیا میں بتایا تھا لیبیا کی جنگ میں تین بار ایسا ہو چکا ہے اور تینوں دفعہ ایک فریق نے یہی سمجھا کہ اس نے دوسرے کو بالکل کچل دیا ہے۔ پہلے اطالوی فوجیں آگے بڑھیں اور

انہوں نے سمجھا کہ انہوں نے انگریزی فوجوں کو بالکل کچل دیا ہے۔ پھر انگریزی فوجیں آگے بڑھیں اور دشمن کے ایک لاکھ سے زیادہ سپاہی قید کر لئے اور یہ خبریں آنے لگیں کہ وہ شاید ٹریپولی میں داخل ہو جائیں گی جو لیبیا کے آخر پر اس علاقہ کا صدر مقام ہے مگر یکدم انگریزی فوجوں کو پھر شکست ہوئی۔ ان کے پندرہ بیس ہزار سپاہی قید کر لئے گئے۔ جن میں دو بڑے جرنیل بھی تھے اور ایک جرنیل تو وہ قید کر لیا گیا جو جنگی سکیمیں بنایا کرتا تھا۔ ان کے بڑے بڑے ٹینک تباہ ہو گئے اور انگریزی فوجیں اس طرح پیچھے ہٹیں کہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ بالکل تباہ ہو جائیں گی مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر توفیق دی اور وہ دشمن کو دھکیلنے لگیں۔ اس کے 35 ہزار سپاہی قید کر لئے اور یہ خبریں مشہور ہونے لگیں کہ اب دشمن نہیں ٹھہر سکے گا مگر دشمن نے پھر انگریزی فوجوں کو دھکیلا اور مصری سرحد پر لے آیا اور تیس ہزار سپاہی قید کر لئے ہیں۔

یہ سب واقعات سوچنے والے کے لئے اسلام اور احمدیت کی صداقت کا ایک واضح ثبوت ہیں۔ لوگ مبصروں سے رائے لیتے ہیں، منجموں سے پوچھتے ہیں مگر ان کی سب باتیں قیاسی اور وہمی ہوتی ہیں۔ کوئی کسی لڑکی کے متعلق پوچھتا ہے کہ بتاؤ اس کے کیا اولاد ہو گی تو وہ ایک پرزہ لکھ کر دے دیتے ہیں کہ اتنے عرصہ کے بعد اسے کھول کر دیکھنا۔ جب لوگ دیکھتے ہیں تو اس میں لکھا ہوتا ہے لڑکا نہ لڑکی۔ اگر تو لڑکی ہو جاتی ہے اور منجم سے پوچھا جاتا ہے کہ تم نے تو لکھا تھا لڑکا ہو گا تو وہ جواب دیتا ہے کہ مَیں نے تو لکھا تھا کہ لڑکا نہ ہو گا لڑکی ہو گی۔ اگر لڑکا ہوتا ہے اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تم نے لکھا تھا کہ لڑکا نہ ہو گا لڑکی ہو گی تو وہ کہہ دیتا ہے مَیں نے لکھا تھا کہ لڑکا، نہ لڑکی۔ اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو وہ کہہ دیتا ہے کہ مَیں نے لکھا تھا کہ لڑکا نہ لڑکی کچھ بھی نہ ہو گا۔ گویا وہ تینوں امکانی پہلو مد نظر رکھ کر جواب دے دیتے ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ مگر یہ کتنی واضح پیشگوئی تھی جو خدا تعالیٰ نے مجھے بتائی اور یہ ایک ایسے وقوعہ کی خبر تھی کہ جس کی مثال کم کیا کوئی ملتی ہی نہیں۔ پھر ایک اَور بات جو اس میں بتائی گئی یہ ہے کہ اگر مَیں اور احمدی جماعت دعا کرے تو انگریزوں کو کامیابی ہو سکتی ہے کیونکہ امام جماعت کا بھی قائمقام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہے کہ اگر ہماری جماعت دعا کرے تو وہ اس فتنہ کو دور کر سکتا ہے۔

مَیں نے متواتر انگریزوں کو توجہ دلائی ہے کہ اگر وہ سچے دل سے ہماری طرف دعا کے لئے متوجہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات کو دور کر دے گا مگر افسوس کہ اپنی مادی ترقیات کی وجہ سے ان کو یہ تحریک نہیں ہوتی کہ ہمیں دعا کے لئے کہیں۔ ایک بہت بڑے انگریز افسر نے ہمارے ایک معزز دوست سے کہا کہ میرے نزدیک تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ دعا کے لئے کہا جائے مگر بعض مشیروں نے یہ رائے دی ہے کہ اس سے مختلف قوموں میں انگریزوں کے متعلق بدظنی پیدا ہو جائے گی حالانکہ انگریزی قوم اس وقت مصائب میں سے گزر رہی ہے کہ ایسی بدظنیوں کی اس کو کوئی پرواہ نہ کرنی چاہئے۔ اب کیا مختلف قوموں میں اس کے متعلق بدظنی نہیں پائی جاتی۔ ہر قوم اس پر یہ الزام لگاتی ہے کہ وہ ہر موقع پر دوسری سے مل جاتی ہے اور فساد پیدا کر دیتی ہے۔ کانگرس کو یہ شکایت ہے کہ وہ مسلم لیگ سے مل کر ہندو مسلم اتحاد نہیں ہونے دیتی۔ مسلم لیگ کہتی ہے کہ وہ کانگرس سے ڈر کر مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم رکھ رہی ہے۔ سوشلسٹ کہتے ہیں کہ وہ مالداروں کے ہاتھ میں ہے اور کیپٹلسٹ شور مچاتے ہیں کہ وہ برطانوی کیپٹلسٹوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہمیں نقصان پہنچاتی ہے۔ غرضیکہ کوئی ایک قوم بھی نہیں جو موجودہ حکومت پر خوش ہو۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ ان قوموں میں بدظنی پیدا ہو جانے کے ڈر سے دعا کرانے کی طرف متوجہ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے مدد نہ چاہتی ہوئی اپنی مشکلات کو لمبا کرتی جائے۔ توپیں دونوں کے پاس ہیں، کبھی اُن کی توپیں زیادہ ہو جاتی ہیں اور کبھی اِن کی۔ ہوائی جہاز دونوں کے پاس ہیں، کبھی ان کے ہوائی جہاز بڑھ جاتے ہیں اور کبھی ان کے۔ ٹینک دونوں کے پاس ہیں کبھی ایک کے ٹینک بڑھ جاتے ہیں اور کبھی دوسرے کے۔ فوجیں بھی دونوں کے پاس ہیں اور کبھی ایک فریق کی فوج زیادہ میدان میں آ جاتی ہے اور کبھی دوسرے کی۔ مگر ایک چیز ہے جو دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور دعا ہے۔ یہ چیز نہ انگریز کے پاس ہے اور نہ اس کے دشمن کے پاس۔ ہاں ظاہر طور پر دعا اور خدا تعالیٰ سے مدد مانگنے کا شور انگریز اور ان کے ساتھی بھی مچاتے ہیں اور ان کے دشمن بھی۔ مگر دعا کے یہ معنی نہیں کہ انسان اپنے غلط خیال پر اصرار کرتے ہوئے کہے

کہ مَیں خدا سے دعا مانگتا ہوں اور اس کے لئے کوئی قربانی نہ کرے۔ بغیر قربانی کرنے کے مُنہ سے کچھ مانگ لینا کسی کے لئے بھی کوئی مشکل نہیں۔ پس یہ دعائیں جو کی جاتی ہیں محض خیالی ہیں اور کسی کام نہیں آسکتیں۔ جس طرح لکڑی کی توپیں کسی کام نہیں آسکتیں۔ جس طرح ربڑ کی کشتیاں جو کھلونے کے طور پر بنائی جائیں کسی کام نہیں آسکتیں، جس طرح ٹین کے ہوائی جہاز جنگ میں کام نہیں دے سکتے، جس طرح سیسہ کے بنے ہوئے مصنوعی سپاہی کسی کام نہیں آسکتے۔ اسی طرح اس قسم کی دعائیں بھی کام نہیں آسکتیں اور جس طرح اصلی توپیں اصلی ہوائی جہاز، اصلی ٹینک اور حقیقی آدمی ہی جنگ میں کام آسکتے ہیں۔ اسی طرح دعائیں بھی وہ فائدہ پہنچا سکتی ہیں جو حقیقی ہوں نقلی نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ انسانی فطرت کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے ایسے موقع پر وہ یہ تو امید نہیں رکھتا کہ ساری قوم مذہب تبدیل کرلے کیونکہ یہ بات تو لمبی بحثوں اور لمبے تجربہ سے تعلق رکھتی ہے مگر یہ ضرور چاہتا ہے کہ وہ اصلاح نفس کی طرف متوجہ ہو کر دل میں فیصلہ کرے کہ خدا تعالیٰ کی بات جو بھی ہو گی، وہ اسے قبول کرلے گی۔ آج اللہ تعالیٰ انگریزوں سے یہ امید نہیں رکھتا کہ وہ عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ البتہ ذہنیت کی تبدیلی ضرور چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ نادیدہ خدا کو جسے انہوں نے نہیں دیکھا، مخاطب کر کے کہیں کہ اے ہمارے رب ہم یہ نہیں جانتے کہ تیری سچائی کہاں ہے۔ مگر اپنے گردو پیش کے حالات سے یہ ضرور سمجھتے ہیں کہ تو ایک زبردست ہستی موجود ہے اور تجھ سے امید رکھتے ہیں کہ اس بلا کو ہم سے ٹال دے اور ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ تیری صداقت جہاں بھی ملے گی ہم اسے ضرور قبول کرلیں گے اور اگر متحارب قوموں میں سے کوئی اتنی تبدیلی کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ سے مدد مانگے تو مجھے یقین ہے کہ وہ اس سے مصیبت کو ٹال دے گا اور کامیابی کے رستوں پر چلا دے گا۔

بہرحال اب جنگ ایسے خطرناک مرحلہ پر پہنچ گئی ہے کہ اسلام کے مقدس مقامات اس کی زد میں آگئے ہیں۔ مصری لوگوں کے مذہب سے ہمیں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔ وہ اسلام کی جو توجیہہ اور تفسیر کرتے ہیں ہم اس کے کتنے ہی خلاف کیوں نہ ہوں۔ اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ ظاہری طور پر وہ ہمارے خدا ہمارے رسول اور ہماری کتاب کو ماننے والے ہیں۔

ان کی اکثریت اسلام کے خدا کے لئے غیرت رکھتی ہے۔ ان کی اکثریت اسلام کی کتاب کے لئے غیرت رکھتی ہے اور ان کی اکثریت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے غیرت رکھتی ہے۔ اسلامی لٹریچر شائع کرنے اور اسے محفوظ رکھنے میں یہ قوم صفِ اول میں رہی ہے۔ آج ہم اپنے مدارس میں بخاری اور مسلم وغیرہ احادیث کی جو کتابیں پڑھاتے ہیں وہ مصر کی چھپی ہوئی ہی ہیں۔ اسلام کی نادر کتابیں مصر میں ہی چھپتی ہیں اور مصری قوم اسلام کے لئے مفید کام کرتی چلی آئی ہے۔ اس قوم نے اپنی زبان کو بُھلا کر عربی زبان کو اپنا لیا۔ اپنی نسل کو فراموش کر کے یہ عربوں کا حصہ بن گئی اور آج دونوں قوموں میں کوئی فرق نہیں۔ مصر میں عربی زبان، عربی تمدن اور عربی طریق رائج ہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب رائج ہے۔ پس مصر کی تکلیف اور تباہی ہر مسلمان کے لئے دکھ کا موجب ہونی چاہئے۔ خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھنے والا ہو اور خواہ مذہبی طور پر اسے مصریوں سے کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں۔ پھر مصر کے ساتھ ہی وہ مقدس سرزمین شروع ہو جاتی ہے جس کا ذرہ ذرہ ہمیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے۔ نہر سویز کے ادھر آتے ہی آجکل کے سفر کے سامانوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چند روز کی مسافت کے فاصلہ پر ہی وہ مقدس مقام ہے جہاں ہمارے آقا کا مبارک وجود لیٹا ہے جس کی گلیوں میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک پڑا کرتے تھے۔ جس کے مقبروں میں آپ کے والا وشیدا خدا تعالیٰ کے فضل کے نیچے میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ اس دن کے انتظار میں کہ جب صور پھونکا جائے گا۔ وہ لبیک کہتے ہوئے اپنے رب کے حضور حاضر ہو جائیں گے دو اڑھائی سَو میل کے فاصلہ پر ہی وہ وادی ہے جس میں وہ گھر ہے۔ جسے ہم خدا کا گھر کہتے ہیں اور جس کی طرف دن میں کم سے کم پانچ بار منہ کر کے ہم نماز پڑھتے ہیں اور جس کی زیارت اور حج کے لئے جاتے ہیں جو دین کے ستونوں میں سے ایک بڑا ستون ہے یہ مقدس مقام صرف چند سو میل کے فاصلہ پر ہے اور آجکل موٹروں اور ٹینکوں کی رفتار کے لحاظ سے چار پانچ دن کی مسافت سے زیادہ فاصلہ پر نہیں اور ان کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں۔ وہاں جو حکومت ہے اس کے پاس نہ ٹینک ہیں نہ ہوائی جہاز اور نہ ہی حفاظت کا کوئی اور سامان۔ کھلے دروازوں اسلام کا خزانہ پڑا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دیواریں بھی نہیں ہیں اور جوں جوں دشمن ان مقامات کے قریب پہنچتا ہے۔ ایک مسلمان کا دل لرز جاتا ہے،

کانپ اٹھتا ہے کہ نہ معلوم کل کو کیا ہو گا۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی ان کی حفاظت فرمائے گا لیکن یہ ہمارا یقین ہمیں اپنی ذمہ داریوں سے نہیں چھڑا سکتا۔ جس طرح مکہ کے متعلق خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا جس طرح اسلام کی حفاظت کے متعلق خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ کی حفاظت کا بھی وعدہ اس نے کیا ہوا تھا چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ [1] مگر باوجود اس وعدہ کے ایسے ہی مقدس اور یقینی وعدہ کے جیسا کہ مکہ مکرمہ اور خانہ کعبہ کی حفاظت کے متعلق ہے۔ پھر بھی صحابہؓ کرام اس وعدہ پر کفایت کر کے بے فکر نہیں ہو گئے تھے اور انہوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ خدا تعالیٰ خود آپ کو دشمنوں سے بچائے گا۔ ہمیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ مدینہ میں آپ کے داخلہ سے لے کر آپ کی وفات تک برابر وہ آپ کے گھر کا پہرہ دیتے رہے۔ مدینہ کے لوگوں یعنی انصار پر اللہ تعالیٰ بڑی بڑی برکتیں نازل کرے۔ وہ بڑی ہی سمجھدار اور قربانی کرنے والی قوم تھی۔ رسول کریم ﷺ مدینہ میں آئے تو انہوں نے فوراً اس بات کا فیصلہ کیا کہ اب آپ کی ذات کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے اور ہر رات الگ الگ گروہ آپ کے مکان پر پہرہ کے لئے آتا تھا۔ پہلے تو انصار بغیر ہتھیاروں کے پہرہ کے لئے آتے تھے انہوں نے یہ خیال کیا کہ مدینہ اسلامی شہر ہے یہاں خطرہ کی کوئی بات نہیں ہر قبیلہ باری باری پہرہ کے لئے اپنے آدمی بھیجتا تھا مگر وہ بغیر ہتھیاروں کے ہوتے تھے۔ ایک رات رسول کریم ﷺ اپنے گھر میں تھے کہ باہر آپؐ نے تلواروں اور نیزوں کی جھنکار سنی۔ آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ انصار کا ایک گروہ سر سے پاؤں تک مسلح آپ کے مکان کے گرد پہرہ کے لئے کھڑا ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا بات ہے تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! لوگ تو بغیر ہتھیاروں کے پہرہ کے لئے آیا کرتے تھے مگر ہمارے قبیلہ نے فیصلہ کیا ہے کہ پہرہ کے انتظام کے معنے یہ ہیں کہ خطرہ کا احتمال ہے اور جب خطرہ ہو سکتا ہے تو اسے روکنے کے لئے ہتھیار بھی ضرور ہونے چاہئیں اس لئے ہم مسلح ہو کر پہرہ کے لئے آئے ہیں۔ آپؐ نے ان لوگوں کے لئے دعا فرمائی اور اندر تشریف لے گئے اس کے بعد باقی قبائل نے بھی مسلح ہو کر پہرہ دینا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ مدینہ میں کچھ شور ہوا اور خیال تھا کہ شاید رومی حملہ کریں گے

اس لئے مسلمان ہتھیار لے کر باہر کی طرف بھاگے مگر چند صحابی دوڑ کر مسجد نبوی میں جمع ہو گئے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے حملہ کا خوف تو باہر سے تھا۔ آپ لوگ مسجد میں کیوں آ بیٹھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں تو یہی جگہ حفاظت کئے جانے کے قابل نظر آتی ہے۔ اس لئے یہیں آ گئے۔

مَیں نے بارہا جنگ بدر کا واقعہ سنایا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا کہ لڑائی کی جائے یا نہ کی جائے تو مہاجرین یکے بعد دیگرے اٹھتے اور لڑائی کا مشورہ دیتے مگر آپؐ ہر ایک مہاجر کا مشورہ سن کر فرماتے کہ لوگو مشورہ دو۔ انصار خاموش تھے اور ان کی خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ مکہ والے مہاجرین کے رشتہ دار ہیں۔ ہم نے ان سے لڑائی کا اگر مشورہ دیا تو مہاجرین یہ نہ کہیں کہ یہ ہمارے بھائیوں سے لڑائی کا مشورہ دیتے ہیں۔ اس لئے وہ خاموش تھے اور مہاجرین لڑائی کا مشورہ باری باری دیتے تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے کہ لوگو مشورہ دو۔ اس پر ایک انصاری سردار کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مشورہ تو دیا جا رہا ہے مگر آپؐ پھر مشورہ دریافت فرماتے ہیں۔ شاید آپؐ کی مراد یہ ہے کہ انصار بولیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ اس سردار نے کہا کہ یا رسول اللہ! بے شک مکہ میں بیعت کرتے وقت ہم نے آپؐ سے یہ اقرار کیا تھا کہ اگر دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو گا تو ہم آپؐ کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ مدینہ سے باہر نہیں مگر یہ اقرار تو اس وقت کیا تھا جب ہم پر آپؐ کی شان کھلی نہ تھی۔ اب تو آپؐ کی شان ہم پر کھل چکی ہے۔ اب تو ہم سے پوچھنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر آپؐ کا ارادہ لڑنے کا ہے تو بسم اللہ چلئے۔ ہمارا تو ایک ہی کام ہے کہ آپؐ کے چاروں طرف لڑیں۔ ہم آپؐ کے دائیں لڑیں گے، بائیں لڑیں گے، آگے لڑیں گے اور پیچھے لڑیں گے اور کوئی دشمن آپؐ تک ہرگز نہ پہنچ سکے گا جب تک وہ ہماری لاشوں پر سے نہ گزرے۔[2] پھر انہوں نے اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ ایک اونچی جگہ آپؐ کے لئے بنا دی اور باصرار آپؐ سے عرض کیا کہ اس جگہ تشریف رکھیں اور دعا کریں۔ حضرت ابوبکرؓ کو آپؐ کے پاس بٹھا دیا اور سب سے زیادہ تیز رفتار دو اونٹنیاں آپؐ کے پاس باندھ دیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مدینہ والوں کو علم نہ تھا کہ جنگ ہونے والی ہے اس لئے تھوڑے لوگ ساتھ آئے

ہیں اور جو پیچھے رہے ہیں۔ وہ اخلاص اور ایمان کے لحاظ سے ہم سے کم نہیں ہیں۔ ہم نے بہترین اونٹنیاں آپؐ کے پاس باندھ دی ہیں اور اپنے میں سے بہترین امین جس پر ہم کو سب سے زیادہ اعتبار ہے آپؐ کے پاس بٹھا دیا ہے۔ یارسول اللہ اگر ہم مارے گئے تو آپؐ خدا تعالیٰ کی رحمت کے نیچے ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر ابو بکرؓ کے ساتھ مدینہ چلے جائیں وہاں ہمارے بھائی ہیں جو آپؐ کے لئے اسی طرح قربانیاں کرنے کو تیار ہیں جس طرح ہم کر رہے ہیں۔[3] یہ قربانیاں کرنے والے جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے آپؐ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہوا ہے اور فرمایا ہے کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کے حملوں سے بچائے گا مگر باوجود اس وعدہ کے جو قربانیاں انہوں نے آپؐ کی حفاظت کے لئے کیں۔ کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ ان کا ایمان کمزور تھا اور وہ خدا تعالیٰ کو اس وعدہ کو پورا کرنے پر قادر نہ سمجھتے تھے یا کیا وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی وعدہ نہیں فرمایا بلکہ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے پاس سے بنالیا ہے۔

ان کی قربانیاں اور ان کا اخلاص دونوں بتاتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بات بھی ان کے وہم یا خیال میں نہ تھی۔ ان کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ وہ آپ کو بچانے کی طاقت رکھتا ہے اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے سامان مہیا کر سکتا ہے مگر ان کی تمنا ان کی آرزو اور ان کی خواہش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بچانے کے لئے جو ہتھیار اپنے ہاتھ میں لے وہ ہم ہوں۔ انہیں خدا تعالیٰ کے وعدے پر شک نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شک نہ تھا بلکہ حرص تھی کہ اس وعدہ کو پورا کرنے کا جو ذریعہ اللہ تعالیٰ اختیار کرے وہ ہم ہوں۔ وہ چاہتے تھے کہ کاش وہ ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچانے کا اختیار کرنا ہے وہ ہم بن جائیں اور وہ بن گئے اور انہوں نے متواتر دس سال تک اپنی جانوں اور عزیز ترین رشتہ داروں کی جانوں کو قربان کر کے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا ہتھیار ثابت کر دیا۔ وہ مہاجر اور وہ انصار اس وعدہ کو پورا کرنے کا ذریعہ بن گئے جنہوں نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اور پیچھے ہو کر ہر موقع پر جنگ کی۔ ان کی اول خواہش اور تمنا بھی اور ان کی آخری خواہش اور تمنا بھی یہی تھی کہ کاش وہ فنا ہو جائیں، وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر

کوئی آنچ نہ آئے۔ ایک صحابی کو کچھ لوگ قید کر کے لے گئے اور مکہ والوں کے پاس بیچ دیا۔ مکہ والوں کا کوئی آدمی کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اور وہ اس کے بدلہ میں کسی مسلمان کو مارنا چاہتے تھے۔ اس لئے اسے خرید لیا۔ انہوں نے اس کے گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئی تھیں اور قتل کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ ان میں سے کسی نے اس صحابی کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم یہ پسند نہ کرو گے کہ تم اس وقت آرام سے اپنے بیوی بچوں میں بیٹھے ہو اور تمہاری جگہ یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے قبضہ میں ہو۔ اس صحابی نے جواب دیا کہ تم لوگ بڑے بے وقوف ہو جو یہ سوال کرتے ہو۔ تم تو یہ کہتے ہو کہ مَیں یہ پسند کرتا ہوں یا نہیں کہ مَیں مدینہ میں اپنے بیوی بچوں میں بیٹھا ہوں اور میری جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تمہاری قید میں ہوں۔ مَیں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ مَیں اپنے گھر میں ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے میں مدینہ کی گلیوں میں کوئی کانٹا بھی چبھ جائے۔[4]

پھر ایک صحابی کے متعلق لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگ کے لئے تشریف لے گئے اور وہ صحابی کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے ان کی بیوی بیٹھی تھیں۔ دونوں کی باہم بہت محبت تھی۔ وہ صحابی جوش سے پیار کے لئے اپنی بیوی کی طرف بڑھے مگر وہ حقارت سے پیچھے ہٹ گئیں اور کہا کہ تمہیں شرم تو نہیں آتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو لڑائی کے لئے تشریف لے گئے ہیں اور تم بیوی کو پیار کرنے لگے ہو۔ یہ بات سن کر وہ فوراً باہر نکلے اور جنگ کے لئے چل پڑے۔[5] یہ وہ قربانیاں تھیں جو باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے وعدہ کے صحابہ نے آپ کی حفاظت کے لئے کیں۔ پس اس میں شبہ نہیں کہ مکہ اور مدینہ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں مگر اللہ تعالیٰ حفاظت کے لئے آسمان سے فرشتے نہیں اتارا کرتا بلکہ بعض بندوں کو ہی فرشتے بنا دیتا ہے اور ان کے دلوں میں اخلاص پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے ہتھیار بن جائیں۔ وہ گو انسان نظر آتے ہیں مگر ان کی روحوں کو فرشتہ کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں۔ ان کو مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں۔[6] اس کا مطلب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کام فرشتوں سے لینا تھا اسے کرنے

کے لئے وہ آگے بڑھتے ہیں۔ اس لئے وہ فرشتے بن جاتے ہیں اور جب وہ فرشتے ہو گئے تو مر کیسے سکتے ہیں۔ فرشتے نہیں مرا کرتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ شہداء کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں اور اپنے خدا کے حضور رزق دیئے جاتے ہیں۔

پس گو ان مقامات کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ مسلمان ان کی حفاظت کے فرض سے آزاد ہو گئے ہیں بلکہ ضروری ہے کہ ہر سچا مسلمان ان کی حفاظت کے لئے اپنی پوری کوشش کرے جو اس کے بس میں ہے۔ یہ مقامات روز بروز جنگ کے قریب آرہے ہیں اور خدا تعالیٰ کی کسی مشیت اور اپنے گناہوں کی شامت کی وجہ سے ہم بالکل بے بس ہیں اور کوئی ذریعہ ان کی حفاظت کا اختیار نہیں کر سکتے۔ ادنیٰ ترین بات جو انسان کے اختیار میں ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ اس کے آگے پیچھے کھڑے ہو کر جان دے دے مگر ہم تو یہ بھی نہیں کر سکتے اور اس خطرناک وقت میں صرف ایک ہی ذریعہ باقی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کریں کہ وہ جنگ کو ان مقامات مقدسہ سے زیادہ دور لے جائے اور اپنے فضل سے ان کی حفاظت فرمائے۔ وہ خدا جس نے ابرہہ کی تباہی کے لئے آسمان سے وبا بھیج دی تھی اب بھی طاقت رکھتا ہے کہ ہر ایسے دشمن کو جس کے ہاتھوں سے اس کے مقدس مقامات اور شعائر کو کوئی گزند پہنچ سکے کچل دے۔ جنگ کے ہولناک اثرات کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے اس کا کچھ مزہ چکھا ہو، برما سے ہندوستانی واپس آرہے ہیں۔ ان کے حالات سنو تو دل لرز جاتا ہے، کانپ اٹھتا ہے اور زندگی حقیر نظر آنے لگتی ہے۔ وہاں گیارہ لاکھ ہندوستانی بستے تھے۔ ان کو وطن پہنچانے کا کوئی ذریعہ انگریزوں کے پاس نہ تھا۔ اس لئے وہ لوگ پہاڑی راستوں سے پیدل چلے پانچ سو میل لمبا راستہ ہے۔ مجھے ایسے لوگ ملے ہیں جنہوں نے راستہ میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ماں نے بچہ کو گود میں اٹھایا ہوا ہے اور چلی آرہی ہے کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ پچاس ساٹھ یا ستّر اَسّی میل چلنے کے بعد پیر زخمی ہو گئے قدم لڑکھڑانے لگے حتّٰی کہ خالی قدم اٹھانا بھی مشکل ہو گیا۔ چہ جائیکہ بچہ کو اٹھا کر چل سکے آخر اس نے مجبور ہو کر درخت کے نیچے بچہ کو لٹا دیا اسے پیار کیا اور آگے چل پڑی۔ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ چلا آرہا ہے، بیوی تھک کر چُور ہو چکی ہے اسے سہارا دیئے لئے آرہا ہے۔ عورت

گرتی پڑتی چلی آتی ہے کبھی کبھی مرد اسے اٹھا بھی لیتا ہے دوسرے لوگ پیچھے سے بھاگے چلے آتے ہیں اور شور مچاتے ہیں کہ جاپانی قریب پہنچ گئے۔ وہ بیوی کو سہارا دیئے ہوئے چلا آتا ہے لیکن آخر اس کے پاؤں بھی لڑکھڑانے لگتے ہیں اور وہ مجبور ہو کر اسے ایک طرف بٹھا دیتا ہے اس کے سر پر بوسہ دیتا ہے اور خدا حافظ کہہ کر آگے چل پڑتا ہے۔ ایسے سینکڑوں واقعات لوگوں نے دیکھے ہیں کہ ماؤں نے بچوں کو گودیوں سے اتار دیا، خاوندوں نے بیویوں کو پہلو سے جدا کر کے مرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ گو معلوم نہیں وہ خود بھی پہنچ سکے یا نہیں۔ یہاں تو چار لاکھ ہی پہنچے ہیں، باقی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ سات لاکھ میں سے کتنے مر گئے اور کتنے ابھی وہیں ہیں تین چار روز ہوئے مجھے ایک لڑکا ملا جو یہاں تحریک جدید کے بورڈنگ میں ہے۔ اس نے اپنے باپ کا خط مجھے دیا جو فوج میں ملازم تھا اور مَیں جانتا ہوں مخلص احمدی ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ برما میں لڑائی قریب آ جانے کی وجہ سے ہماری فوج کو واپس جانے کا حکم ملا مجھے تو فوج کے ساتھ جہاز میں واپس پہنچا دیا گیا اور تمہاری والدہ اور دوسرے بھائی بہنیں پیدل قافلوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ وہ قافلے تو بنگال پہنچ چکے ہیں۔ مگر ان کا کوئی پتہ نہیں۔ میں نے سرکار سے تنخواہ لے لی ہے اور رخصت حاصل کی ہے اور اب میں اسی راستہ پر پیدل ان کی تلاش کے لئے جا رہا ہوں اور نہیں کہہ سکتا کہ خود بھی زندہ واپس آ سکوں گا یا نہیں۔ اس لئے تم کو (یہاں ان کے دو بچے ہیں) خدا تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ ایسا واقعہ ایک ہی نہیں سینکڑوں ہیں مگر قلوب کو زخمی کرنے کے لئے ایک ہی کافی ہے ہم تو کسی کے متعلق بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ اسے ایسے واقعات پیش آئیں۔ چہ جائیکہ اس قوم کو پیش آئیں جو گو آج کتنی جاہل ہے مگر جس کے باپ دادوں نے رسول کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے آگے اور پیچھے کھڑے ہو کر جانیں دے دیں۔ اس قوم کی نسبت تو اس نظارہ کا قیاس کر کے بھی ایک مسلمان کا دل پھٹ جاتا ہے۔ پس مَیں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کریں کہ وہ خود ہی ان مقامات کی حفاظت کے سامان پیدا کر دے اور اس طرح دعائیں کریں جس طرح بچہ بھوک سے تڑپتا ہوا چلّاتا ہے جس طرح ماں سے جدا ہونے والا بچہ یا بچہ سے محروم ہو جانے والی ماں آہ وزاری کرتی ہے۔ اسی طرح اپنے رب کے حضور رو رو کر دعائیں کریں کہ اے اللہ! تُو خود

ان مقدس مقامات کی حفاظت فرما اور ان لوگوں کی اولادوں کو جو آنحضرت ﷺ کے لئے جانیں فدا کر گئے اور ان کے ملک کو ان خطرناک نتائج جنگ سے جو دوسرے مقامات پر پیش آرہے ہیں بچالے اور اسلام کے نام لیواؤں کو خواہ وہ کیسی ہی گندی حالت میں ہیں اور خواہ ہم سے ان کے کتنے اختلافات ہیں۔ ان کی حفاظت فرما اور اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ رکھ۔ جو کام آج ہم اپنے ہاتھوں سے نہیں کرسکتے۔ وہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ کر دے اور ہمارے دل کا دکھ ہمارے ہاتھوں کی قربانیوں کا قائم مقام ہو جائے۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عرب سے قریباً دو سو میل کے فاصلہ پر ہندوستان کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ عربوں کے پاس گو اور سامان تو نہیں مگر تلوار تو ہے لیکن ہم ہندوستانیوں کے پاس تو تلوار بھی نہیں۔ پھر 11 لاکھ کا نکلنا تو معمولی بات ہے مگر جب وہ بھی نہ نکل سکے تو ہم 33 کروڑ باشندے کہاں جائیں گے۔ ان کو تو چلنے کے لئے راستے بھی نہیں مل سکتے اور اگر خطرہ پیش آجائے تو سونے کے لئے بھی جگہ نہیں مل سکے گی۔ دنیا میں جہاں کثرتِ آبادی رحمت سمجھی جاتی ہے وہاں ایسے مواقع پر وہ زحمت بھی ہو جاتی ہے پھر چند سو یا ہزار نکلنے والے ہوں تو ان کے لئے کھانے کا بھی کوئی انتظام ہو سکتا ہے مگر کروڑوں کے لئے کون انتظام کر سکتا ہے۔ پس اپنے ملک کی حفاظت اور اس کی حالت کو بھی مدنظر رکھو اور اس کے لئے بھی دعائیں کرو۔ گو یہ ادنیٰ چیز ہے۔ سب سے مقدم ہمارے لئے مقدس مقامات ہیں اور ملکی حفاظت کا سوال ان کی حفاظت کے سوال کے بعد ہے اور ان کی حفاظت کے لئے ہمارے دل میں درد اور تڑپ ملک کی حفاظت کے لئے درد اور تڑپ سے بہت زیادہ ہے۔ ہندو ہمیشہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا دل تو عرب میں اٹکا ہوا ہے مگر ایسا اعتراض کرنے والے نادان ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ اصل انسان وہ ہے جس کا دل خدا تعالیٰ سے اٹکا ہوا ہو۔ اگر ہمارے دل عرب سے اٹکے ہوئے ہیں، اگر خانہ کعبہ سے اٹکے ہیں تو اس میں کسی کے لئے کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ جہانتک ملک کے لئے قربانی کا سوال ہے۔ ہر سمجھدار مسلمان ویسا ہی اس کے لئے درد رکھتا ہے جیسا کہ کوئی بڑے سے بڑا ہندو۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ ہم اپنے مقدس مقامات کو ملک پر مقدم رکھیں۔ تو یہ اعتراض کی بات ہے اس طرح تو کل کو کوئی نادان ہندو یہ بھی کہہ سکتا ہے

کہ مسلمان خدا تعالیٰ کو گاندھی سے بڑا سمجھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ملک کی محبت اپنی جگہ پر ہے اور دین کی اپنی جگہ۔ دونوں آپس میں مقابلہ کی چیزیں نہیں ہیں بلکہ دونوں کا مقام الگ الگ ہے۔ ہم یہ ہر گز نہیں مان سکتے کہ کوئی ہندو ملک کی محبت میں ہم سے بڑھ کر ہے اگر صرف ملک کی حفاظت کا سوال ہو تو ہم اس کے لئے ان سے زیادہ قربانی کرنے کو تیار ہیں لیکن دین کے مقابلہ میں اسے مقدم نہیں کر سکتے۔ اگر کسی جگہ بھائی اور ماں کی حفاظت کا سوال ہو تو کوئی احمق ہی اعتراض کر سکتا ہے کہ فلاں شخص نے ماں کے لئے بھائی کو قربان کر دیا۔ اور اگر والدین اور رسولؐ کی حفاظت کے لئے قربانی کا سوال ہو تو کوئی احمق ہی کہہ سکتا ہے کہ رسول کے مقابلہ میں ماں باپ کو پیچھے ڈال دیا۔

احد کی جنگ کا واقعہ ہے کہ جب مدینہ میں یہ غلط خبر پہنچی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی تو عورتیں اور بچے روتے ہوئے شہر سے باہر نکل آئے۔ ایک صحابی جو میدان جنگ سے واپس لوٹ رہا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخیر و عافیت دیکھ کر آیا تھا۔ وہ ایک عورت کے پاس سے گزرا اور اس نے اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ اس کا دل چونکہ مطمئن تھا کہ آپ خیریت سے ہیں اس لئے اس نے اس عورت کے سوال کا تو خیال نہ کیا اور کہا بہن افسوس ہے۔ تمہارا بھائی جنگ میں شہید ہو گیا۔ اس نے کہا کہ تم مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بتاؤ اس نے پھر بھی اس کے سوال کا جواب نہ دیا اور کہا۔ افسوس تمہارا خاوند بھی شہید ہو گیا مگر اس عورت نے پھر بھی کوئی پرواہ نہ کی اور کہا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ اس نے کہا افسوس تمہارا بیٹا بھی شہید ہو گیا۔ اس نے کہا کہ مَیں اور کسی کا نہیں پوچھتی۔ مجھے بتاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو خیریت سے ہیں۔ اس نے کہا ہاں وہ تو خیریت سے ہیں۔ یہ سن کر اس عورت نے کہا کہ وہ خیریت سے ہیں تو مجھے کسی اَور کی شہادت کا غم نہیں۔[7] کیا اس عورت کو اپنے خاوند سے محبت نہ تھی، بھائی سے محبت نہ تھی، بیٹے سے محبت نہ تھی؟ سب سے تھی مگر محبتوں کے بھی درجے ہوتے ہیں۔ اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت سب سے بڑھ کر تھی۔ پس احمق اور نادان ہے وہ انسان جو سمجھتا ہے کہ ہر محبت وطن کی محبت میں مرکوز ہو جانی چاہئے۔ اگر کوئی ہندو اعتراض کرتا ہے کہ ہمارے دلوں میں خانہ کعبہ کی یا مکہ کی محبت وطن

سے زیادہ ہے تو وہ صرف اپنی جہالت کا مظاہرہ کرتا ہے اور ایسے جاہل کی خاطر ہم ان مقامات کی محبت کو پیچھے نہیں ڈال سکتے۔ مگر اس کے یہ معنے بھی نہیں کہ ہم وطن کی محبت میں اس معترض سے پیچھے ہیں۔ بیشک دین کی محبت ہمارے دلوں میں زیادہ ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ وطن کی محبت نہیں ہے۔ اگر ہمارا ملک خطرہ میں ہو تو ہم اس کے لئے قربانی کرنے میں کسی ہندو سے پیچھے نہیں رہیں گے لیکن اگر دونوں خطرہ میں ہوں۔ یعنی ملک اور مقامات مقدسہ، تو مؤخر الذکر کی حفاظت چونکہ دین ہے اور زندہ خدا کی شعائر کی حفاظت کا سوال ہے۔ اس لئے ہم اسے مقدم کریں گے۔ بیشک ہم عرب کے پتھروں کو ہندوستان کے پتھروں پر فضیلت نہ دیں گے لیکن ان پتھروں کو ضرور فضیلت دیں گے جن کو خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے فضیلت کا مقام بنایا ہے۔ کہتے ہیں ایک دفعہ قیس کُتّے سے پیار کر رہا تھا۔ اس کے دوستوں نے دیکھا اور کہا۔ قیس کیا تم پاگل ہو گئے ہو جو کُتّے سے پیار کر رہے ہو۔ اس نے کہا۔ نہیں مَیں کُتّے سے پیار نہیں کرتا۔ انہوں نے کہا یہ تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم کُتّے سے پیار کر رہے ہو۔ اس نے کہا کہ یہ تو لیلیٰ کا کُتّا ہے۔ مَیں کُتّے سے نہیں بلکہ لیلیٰ کے کُتّے سے پیار کرتا ہوں۔ کُتّے اور لیلیٰ کے کُتّے میں فرق کو عاشق ہی سمجھ سکتا ہے۔ ایک مادہ پرست ہندو کیا جانتا ہے کہ وطن اور خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ شعائر میں کیا فرق ہے۔ وہ عرفان اور نیکی نہ ہونے کی وجہ سے اس فرق کو نہیں سمجھ سکتا۔ پس ہمیں ہندوستان بیشک عزیز ہے، اس کا ذرہ ذرہ عزیز ہے۔ اگر کوئی غنیم باہر سے ہندوستان پر جارحانہ طور پر حملہ آور ہو تو باوجود بعض متعصب ہندوؤں کے جھوٹے اعتراضوں کے ہم اس کی حفاظت میں دوسروں سے پیچھے نہیں آگے ہوں گے خواہ غنیم کوئی مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ [8] ہمارے ایمان کا جزو ہے مگر وہ گلیاں جن میں ہمارے پیارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ چلتے رہے اور وہ پتھر جنہیں خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے عبادت کا مقام بنایا۔ ہمیں وطن سے زیادہ عزیز ہیں اور اس پر کوئی ہندو یا عیسائی حاسد جلتا ہے تو جل مرے۔ ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں۔"

(الفضل 3 جولائی 1942ء)

1: المائدۃ : 68

2: السّيرة الحلبية جلد2 صفحہ 160 مطبوعہ مصر 1935ء

3: سیرت ابن ہشام جلد2 صفحہ 278-279 مطبوعہ مصر 1936ء

4: اسد الغابة جلد2 صفحہ 230 مطبوعہ بیروت 1936ء

5: سیرت ابن ہشام جلد4 صفحہ 163-164 مطبوعہ مصر 1936ء

6: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ (البقرة:155)

7: سیرت ابن ہشام جلد3۔ مطبوعہ مصر 1936ء

8: موضوعات ملّا علی قاری صفحہ 35۔ مطبوعہ دہلی 1315ھ